محمد حنیف ندوی

تاثرات

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات

پچھلے دنوں ہندوستان میں شدید نوعیت کے فرقہ وارانہ فسادات برپا ہوئے ہیں۔ جن میں خود پولیس نے معاندانہ روش اختیار کی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس گھس کر پُرامن شرفاء کی بے عزتی کی ہے اور ان کو زدوکوب کیا ہے۔ جن سنگھ کے مفسدہ پردازوں نے تو مسلمانوں کے مکانوں کو نذرِ آتش بھی کیا ہے اور دوکانوں کو لوٹا بھی ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے ان میں بھی اکثریت انہیں مسلمانوں کی ہے جو ہندو تعصب کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ فسادات کس درجہ بربریت کے حامل ہیں اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ان کی مذمت کی ہے۔ جواہر لعل اظہار تاسف کے لیے مجبور ہوئے ہیں۔ اور جمعیۃ العلماء کے مخصوص اجلاس بلائے گئے ہیں تاکہ اس معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے اور ان کی روک تھام کے لیے موثر اور دور رس تجاویز زیر بحث لائی جائیں۔ علم اور روشنی کے اس دور میں بھی فرقہ وارانہ فسادات رونما ہو سکتے ہیں؟ اور کوئی قوم ایسی وحشیانہ تہذیب پر اترا سکتی ہے کہ جس میں محض اختلاف مذہب و فکر اس درجہ اشتعال کا موجب ہو کہ بغیر فسادات اور ہنگامہ آرائی کے اور کوئی چارہ کار ہی نظر نہ آئے۔ یہ بات بظاہر سمجھ میں آنے والی نہیں۔ اور بالخصوص کسی شائستہ اور مہذب قوم کو یقین دلانا تو سخت مشکل ہے کہ ہندوستان ایسے ملک میں مسلمان مظلومیت اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جہاں صدیوں انہوں نے فاتح اور حکمران کی حیثیت میں رہنے کے باوجود صلح و تحمل کے عملی نمونے قائم کیے ہیں محبت و خیر سگالی کے پینگ بڑھائے ہیں اور ایسی زندہ اور مشترکہ تہذیب کی طرح ڈالی ہے کہ جو آج بھی ہندو اور مسلمان دونوں کے لیے وجۂ صد نازش ہے۔ جن سنگھ کے فرقہ پرست لیڈر آخر کیا چاہتے ہیں؟ کیا چار کروڑ مسلمانوں کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ کیا جبر و اکراہ اور تشدد و فساد سے کسی بھی قوم کو فنا کے گھاٹ اتارنا ممکن ہے؟ کیا خود اپنے ملک کی تاریخ کے اوراق ان کے سامنے نہیں۔ ان لوگوں کو اس عبرت آموز حقیقت پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا ہندوستان میں آج دراویدی پائے نہیں جاتے اور کیا انہیں بدھ پناہ گیروں کو ہاتھوں ہاتھ نہیں لیا جا رہا کل تک جو ہندو تہذیب کا جزنہ بننے کی پاداش میں کشتنی اور گردن زدنی تھے۔ کیا ہندو تعصب اور عدم رواداری کے باوجود یہ سخت جان قومیں زندہ نہیں؟ اور اگر زندہ ہیں اور یقیناً زندہ ہیں تو جن سنگھ کے سوربیروں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے وہ مسلمان بھی ان کے منصوبوں اور تدبیروں کے علی الرغم زندہ رہیں گے جن کو یہ ختم

کر دینے کے درپے ہیں۔ کیونکہ ان کی پشت پر تہذیب و تمدن کی وہ اقدار و روایات ہیں جو پھیلنا، پنپنا اور بڑھنا تو جانتی ہیں۔ سمٹنا اور ختم ہونا بالکل نہیں جانتیں۔

دراصل یہ مسئلہ خود مسلمانوں کے سوچنے کا ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے؟ اور کس طرح اس مخالف آب و ہوا میں ایک باہمت قوم کی طرح زندہ رہنا ہے۔ ایک بات کو اس سلسلہ میں اب طے شدہ سمجھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ جواہر لعل یا کانگرس اس معاملہ میں بالکل بے بس ہیں۔ لہذا ان سے کسی جرأتمندانہ اقدام کی توقع رکھنا محال سے کم نہیں۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ تنظیم جس نے آزادی کی جنگ لڑی، جس نے انگریز کے دبدبہ و طنطنہ کو شکست دی، اور ہندوستان ایسے قدیم مذہبی ملک میں، جہاں کی مذہبی روایات ہرگز سیکولرازم کو برداشت کرنے والی نہیں تھیں، سیکولر اسٹیٹ کی بنیاد رکھی، وہ رجعت پسند عناصر کا استیصال نہ کر سکی۔ فرقہ پرستی کی مسموم ذہنیت کو ختم کر دینے کے قابل ثابت نہ ہو سکی اور تنگ دلی اور تعصب کے ان بدنما داغ دھبوں کو دور نہ کر سکی جنہوں نے صدیوں سے اس کی جبین ناز کو داغدار کر رکھا ہے۔ اگر ریاست و اقتدار کے ساتھ عالی ظرفی بھی لازماً پیدا ہوتی ہے، اور قومیں پرانے کینوں کو بھول کر، رواداری اور محبت کے نئے سبق بھی سیکھتی ہیں تو ہندو قوم کو بھی اس کا ثبوت مہیا کرنا چاہیئے تھا۔ مگر افسوس ہے اس کی پرانی روشِ عناد میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ مسلمانوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرتے وقت اس کی اس تاریخی اور کسی قدر فطری کمزوری کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور آئندہ زندگی کا نقشہ ترتیب دیتے وقت یہ سوچ لینا چاہیئے کہ جن لوگوں سے انہیں پالا پڑا ہے ان میں سازگاری اور دوسروں میں گھل مل کر رہنے کا جذبہ سرے سے مفقود ہے۔ اس لیے محض اپنے ہی بل بوتے پر انہیں زندہ رہنا ہے۔ اور اپنے طور سے مشکلات کا حل ڈھونڈنا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ جمعیت کے محترم اراکین نے مسلمانانِ ہند کے لیے کیا دوررس لائحۂ عمل مرتب کیا ہے؟ تاہم قومی زندگی کے اس مرحلہ میں چند چیزیں بالکل واضح ہیں۔ مسلمانوں کو کسی طرح بھی ان واقعات سے پست ہمت اور شکستہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ اور ان فسادات سے اس درجہ ہراساں نہیں ہونا چاہیئے کہ شرانگیز عناصر کو شہہ ملے۔ بلکہ ایسے پُر وقار انداز میں ان مصائب کو جھیلنا چاہیئے جس سے شر پسند عناصر کو بالآخر شرمندہ ہونا پڑے اور اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا پڑے۔ اشتعال دلانا فرقہ پرستوں کا سب سے بڑا اور پرانا حربہ ہے۔ اور کسی بھی حالت میں مشتعل نہ ہونا اور دل و دماغ کے توازن کو برقرار رکھنا اس کا ایسا مکمل اور منہ توڑ جواب ہے جس سے مزید شرانگیزی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ حتی الامکان حریف کے اس اوچھے وار کا شکار نہ ہوں۔ اور کسی بھی حالت میں ضبط و صبر کے تقاضوں کو مجروح نہ ہونے دیں۔ یہ تو عمومی اور منفی قسم کی تدبیر ہوئی۔ فرقہ پرستی کا اصلی اور مثبت علاج یہ ہے کہ آئندہ الیکشن میں انہیں سیاسی جماعتوں کا ساتھ دیا جائے جو فرقہ پرستوں کے چنگل میں گرفتار نہ ہوں۔ اور اس قابل ہوں کہ اقلیتوں

کے تحفظ کے لیے مؤثر اور جراتمندانہ اقدام کر سکیں۔ کانگرس پر بھروسہ کرنا صراحتہً غلط ہوگا۔ جب تک کوئی جماعت کھلے بندوں یہ وعدہ نہیں کرتی کہ مسلمانوں کو نظم و نسق میں مناسب حصہ ملنا چاہیئے۔ پولیس اور فوج میں کلیدی اسامیوں پر انہیں دوبارہ فائز کرنا چاہیئے اور تعلیم و مقابلہ تک کی تمام سہولتیں انہیں از سرِ نو ملنا چاہئیں اس وقت تک کوئی جماعت اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ مسلمان اس پر اعتماد کریں۔

ہم جانتے ہیں ہندوستان میں باتدبیر مسلمانوں کی کمی نہیں ہے اور ان گئے گذرے حالات میں بھی ایسے حضرات وہاں موجود ہیں جو اس دَور کی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، انہیں چاہیئے کہ یہ سب سر جوڑ کر بیٹھیں اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے زندگی کا ایک نقشہ بنائیں۔

اس اجتماع میں تمام مسائل کا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ اپنی ملی انفرادیت کو بہر حال قائم رکھنے کے لیے پرائیویٹ دینی تعلیم اور مدارس کو کیونکر زیادہ تعمیری اداروں میں بدلا جا سکتا ہے؟ اور ان سے اس سلسلہ میں کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ زبان کے مسئلہ کا کیا حل ہے؟ اور اس کو فروغ دینے کے لیے کن ذرائع سے کام لینا چاہیئے۔ تہذیب و ثقافت کے تحفظ کی کیا شکل ہے اور ان غیر مساعد حالات میں اس کو زندہ رکھنے کی کیا تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں کن سیاسی رجحانات کا ساتھ دینا ہے۔ اور کن سیاسی جماعتوں سے ہمارے روابط استوار ہونے چاہئیں۔

فسادات عارضی شئی ہیں۔ ان کو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہی ہے۔ اصل چیز تعمیری ملی ہے۔ اگر مسلمانانِ ہند نے ایک حوصلہ مند اور باتدبیر قوم کی طرح سوچنا شروع کیا اور یہ طے کر لیا کہ حالات کتنے ہی ناساز گار رہوں انہیں بہر حال زندہ رہنا ہے تو پھر کوئی تعصب ان کو گزند پہنچانے والا نہیں۔ ان شاء اللہ ہندو فرقہ پرستوں کی تمام تدبیریں اور منصوبے ناکام ہو کر رہیں گے۔

علمی خدمات کا اعتراف

ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے رفقار ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواسے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ ان کی ادبی اور علمی خدمات کا اعتراف اعلیٰ سرکاری حلقوں میں بھی ہونے لگا ہے چنانچہ ہمارے ادارہ کے رفیق جناب رئیس احمد جعفری کو مغربی پاکستان کے گورنر جناب اختر حسین صاحب نے ان کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر پانچسو روپے کا عطیہ دیا ہے۔ دو سال قبل اس وقت کے صدر مملکت میجر جنرل اسکندر مرزا نے بھی جعفری صاحب کو اسی طرح کا عطیہ دیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ عطیے اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ علمی خدمات کے اعتراف سے اس قسم کا کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ (مدیر)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی آخری تصنیف

تشبیہاتِ رُومی

مولانا جلال الدین رومی تشبیہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں۔ وہ ہر قسم کے اخلاقی و روحانی مسائل کو سلجھانے اور ہر باریک نکتے کی وضاحت کرنے کے لیے ایسی دلنشیں تشبیہہ دیتے ہیں جو یقین آفریں بھی ہوتی ہے اور وجد آور بھی۔

رومیات کے مشہور عالم اور نامور مفکر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے ان تشبیہات کی بڑے دلکش اور وجد آفریں انداز میں تشریح کی ہے۔ اور ان کی یہ تصنیف حکمت و معرفت کا ایک بحرِ ذخار ہے جس کی اشاعت سے اردو زبان کے افادی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔

خوش نما ٹائپ۔ دیدہ زیب طباعت۔ عمدہ کاغذ

قیمت .... دس روپے

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

کلب روڈ۔ لاہور